© rasailojaraid.com

دینی مدارس — اور عصری درسگاہوں کا نظام تعلیم و تربیت

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

دینی مدارس جہاں قرآن و سنت اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے ان کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود اسلام کی تاریخ ہے، رسول اکرم ﷺ کو قرآن کریم نے یعلمھم الکتاب والحکمۃ کتاب و سنت کا معلم بتایا ہے۔ آپ ﷺ کا اپنا ارشاد انما بعثت معلما (مجھے معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے) موجود ہے۔ کون نہیں جانتا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول پاک ﷺ کے شاگرد تھے۔ آپ ﷺ ہی نے ان کو دین کی مکمل تعلیم و تربیت سے آراستہ فرمایا تھا، پھر یہ بھی سامنے کی حقیقت ہے کہ دینی تعلیم کے بغیر نہ اسلام کی اشاعت ممکن ہے، نہ حفاظت ہو سکتی ہے، نہ اس پر عمل کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ زندگی جو انسانی عمل کی سیکڑوں اور ہزاروں شکلوں کو اپنے دامن میں لیے ہوئے رواں دواں ہے اگر اس کو اسلامی قالب میں ڈھالا جائے تو اسلامی علوم میں مہارت اور بصیرت کے بغیر یہ کام ممکن نہیں۔

قرون اولیٰ سے لے کر آج تک مسلمانوں نے ان علوم کی جس جذبہ و لگن کے ساتھ حفاظت کی ہے اور اس کی ایسی تدریسی، تصنیفی و تالیفی، تحقیقی اور اشاعتی خدمت انجام دی ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر اور عاجز ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں اگر بنظر غائر ملاحظہ فرمائیں تو یہی کچھ کم بات ہے کہ آج چودہ سو سال کے بعد بھی دنیا میں قرآن کریم (جو اسلام کی بنیاد ہے) کے ہزاروں لاکھوں حافظ موجود ہیں، کیا یہ عمل کسی شوق کے بغیر انجام پا رہا ہے؟ یا اتنا آسان عمل ہے کہ دو چار دن یا دو چار ماہ کی توجہ سے پورا ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید کی حفاظت کا یہ انتظام نہ ہو تو ہم قرآن مجید سے استفادہ کر سکیں گے؟ اس کی تلاوت اور اس پر عمل ہو جائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ایسا انتظام فرمایا ہے کہ وہ چھوٹے بچے جو دنیا کے کسی کام کے قابل نہیں ہوتے، ہنستے، کھیلتے دو تین برس میں قرآن مجید ازبر کر لیتے ہیں جب کہ وہ اس کے معنی کو سمجھنے کے بھی قابل نہیں ہوتے اور نہ دوسرا کوئی کام کرنے کی صلاحیت ان میں ہوتی ہے۔ اگر بڑی عمر میں قرآن کریم حفظ کرنے کا دستور ہوتا تو شاید کوئی یہ کہتا کہ ان بڑے لوگوں نے قربانی دی ہے اور اپنے دوسرے کاموں کو چھوڑ کر قرآن مجید کی حفاظت کا فریضہ انجام دیا ہے، اس کی حفاظت کے ذمہ دار یہ لوگ ہیں مگر نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان بچوں سے لیا ہے جو نہ خود یہ دعویٰ کر سکتے ہیں، نہ ان کی طرف سے کوئی دوسرا اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے، یہ اور اس کے بعد جملہ علوم دینیہ و اسلامیہ کی خدمت کا یہ سہرا دینی مدارس اور علماء اسلام کے۔۔۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سر پر سجا ہوا نظر آتا ہے، چودہ سو برس سے تسلسل کے ساتھ یہ خدمت انجام دی جا رہی ہے۔

فرنگی سامراج نے برصغیر میں اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے بڑی سازشیں کیں۔ "لڑاؤ اور حکومت کرو" کی پالیسی کے ذریعے اقتدار کو حاصل کرنا بہت آسان تھا، کہیں صادق و جعفر جیسے بے ضمیر، ملک و ملت فروش ساتھ مل گئے، کہیں مموخاں جیسے غداروں کو خرید لیا گیا مگر حاصل شدہ اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے ایک دو نہیں سینکڑوں ایسے اذہان کی ضرورت تھی جو غداری کا لیبل اپنے ماتھے پر لگائے بغیر سینے پر اپنی قومیت کا تمغہ سجائے اپنے فرنگی آقا کی خدمت بجا لائیں اور ملک کے طول و عرض میں ان کے ممد و معاون بنیں، اس کا سب سے آسان حل یہ نکالا گیا کہ مسلمانوں کے بچوں کو ایسی تعلیم دی جائے جو ایک طرف تو ان کو مذہب و ملت سے دور کر دے اور دوسری طرف انہیں غیر ملکی آقاؤں کی ذہنی غلامی میں جکڑ دے، یوں کالج اور یونیورسٹیوں کے قیام کا سلسلہ شروع ہو گیا جس پر جج اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

برصغیر میں فرنگی اقتدار نے جب قدم جمائے تو علی گڑھ نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور انگریزی نظام تعلیم کو اس کی جملہ خصوصیات کے ساتھ رائج کرنے کا فیصلہ کر کے مسلمانوں کو ذہنی طور پر اس کی غلامی میں داخل کرنے کی داغ بیل ڈالی، اسلام کا نام اگرچہ لیا جاتا رہا اور مسلمانوں کے مفاد کی بات بھی ہوتی رہی مگر دنیا نے دیکھا اور آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ جو فوج ظفر موج وہاں سے تیار ہو کر نکلی، ان کی وفاداریاں اسلام کے ساتھ مشکوک ہو کر رہ گئیں، ان میں ذہنی ارتداد کی بجلی دوڑ گئی وہ دنیا کے سنگریزے جمع کرنے کے لیے شرف انسانیت کے نیلام میں بولی لگانے کے لیے آگے بڑھے، اپنی حقیر خواہشات کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے دوسروں کی آبرو اور جان و مال کے ساتھ کھیلنے کو اپنا شعار بنا لیا، جاہ و مال کی ہوس نے ان کو اندھا کر دیا اور وہ دوسروں کی تباہی و بربادی کے ساتھ ساتھ اپنے بھی دشمن قرار پائے۔ ان کو اسلام اور اس کے اقتدار سے ذرہ بھر دلچسپی نہ ہو سکی، چاہے وہ اسلام اسلام کی رٹ لگاتے ہوئے لمحہ بھر کے لیے نہ تھکے ہوں چونکہ ان کی ہوس اقتدار کی تکمیل کے لیے یہ بہترین ہتھیار تھا۔ اگر یہاں کچھ مستثنیات نظر آتی ہیں تو وہ علی گڑھ کا فیض نہیں اس کا سرچشمہ کہیں اور ملے گا اور ویسے بھی اعتبار اکثریت کا ہوتا ہے نادر تو معدوم کے حکم میں ہے۔

ایسے نازک موقع پر اکابرین ملت نے حالات کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے دار العلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور صرف یہی نہیں ان اکابرین کی اقتدا میں پورے برصغیر میں چھوٹے بڑے مدارس کا سلسلہ شروع ہوا، تاکہ مجاہدین اسلام کی پوری کھیپ تیار ہو اور فرنگی سازشوں کا جم کر مقابلہ کیا جا سکے۔ یہی وہ موقع تھا جب جنگ آزادی کی ہار سے مایوس لوگوں کے دلوں میں امید کی کرنیں روشن ہونا شروع ہوئیں، مسلمان امت کو جو مایوسی کے اتھاہ سمندر میں غوطے کھا رہی تھی یکایک تیرنے کے لیے سہارا مل گیا۔

تب دنیا نے دیکھا کہ جہاں مدارس سے متعلق افراد نے ریشمی رومال جیسی عظیم، زیر زمین تحریک برپا کی، وہیں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور دوسرے اکابر کی سرپرستی میں جہاد کا ببانگ دہل اعلان بھی کیا گیا۔ غرض پورے ہندوستان میں ہلچل مچ گئی اور "ایک آزاد قوم" کا تصور، جوش جہاد کو پروان چڑھانے لگا، کون ہے جو علمائے حق کی خدمات کا انکار کر سکے؟ ان علمائے حق کی ہی قربانیوں کا ثمرہ آج پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے ہے، یہ نظریاتی مملکت ہے، علم سیاسیات کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ نظریاتی مملکتوں میں "نظریہ" افراد و اموال سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ مملکت خداداد پاکستان کا اولین مقصد نظریہ اسلام کی حفاظت و اشاعت ہے اور یہاں دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ممالک کی طرح اپنی تمام اخلاقی، سیاسی، تعمیری قوتوں کو اپنے بنیادی نظریہ کی حفاظت کے لیے استعمال کرنا پڑے گا۔

معاشرے میں اثر رکھنے والی قوتوں میں ایک اہم قوت تعلیم و تربیت ہے۔ لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ نظریاتی مملکت پاکستان میں وہی غلامانہ ذہنیت والا نظام تعلیم و تربیت جاری ہے اور نہ صرف جاری ہے بلکہ اس کی دامے درمے سخنے حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ اس کے برعکس وہ نظام تعلیم و تربیت جس نے پچھلے تاریک دور میں بھی امت مسلمہ کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا تھا اور جو آج بھی ایک کٹر نظریاتی مسلمان پیدا کرنے میں سو فیصد کامیاب ہے، چاروں طرف سے طنز، طعنہ، تنقید اور نفرت کا نشانہ بن رہا ہے۔

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کے وارث علماء کرام نے مسلمانوں کے زوال اور علوم نبوت کی کشتی کو ڈانواڈول دیکھ کر فرنگی اقتدار کو پہلے تو میدان جہاد میں للکارا اور پھر مستقل بنیادوں پر مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لیے آزاد دینی درسگاہیں قائم کیں۔ دیوبند، مراد آباد، دہلی، میرٹھ کے یہ دارالعلوم اسی دور کی یادگار ہیں، برصغیر میں آزاد دینی درسگاہوں کا یہ پہلا تجربہ تھا جو سرکار دربار کی سرپرستی کے بغیر عامۃ المسلمین کے پرخلوص تعاون کی بنیاد پر کیا گیا اور کامیاب رہا۔ سرکاری سرپرستی میں دینی اور مذہبی تعلیم کے لیے مدرسہ عالیہ کلکتہ اور مدرسہ عالیہ رام پور کا قیام عمل میں آیا۔ لاہور، الہ آباد اور لکھنؤ وغیرہ میں یونیورسٹیوں کے ماتحت دینی تعلیم کا انتظام کیا گیا اور مولوی، عالم اور فاضل کے امتحانات جاری کیے گئے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ دہلی، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن نے اپنے طرز پر دینی تعلیم کے کچھ نصاب کا اہتمام کیا لیکن یہ تمام تجربات دینی علوم اور اسلامی علوم کی اشاعت کے نقطہ نظر سے واضح طور پر بالکل ناکام ہوئے بلکہ کوئی باخبر آدمی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا کہ ان سے نفع کے بجائے الٹا نقصان پہنچا۔

وفاق المدارس اور مختلف حکومتیں

جب وفاق المدارس کی ابتدا ہوئی تھی تو جنرل محمد ایوب خان کا دور تھا۔ اس دور کی بیوروکریسی نے جنرل صاحب کو اس بات پر اکسایا کہ یہ مولوی ہمیشہ حکومت کے لیے درد سر بنے رہتے ہیں۔ حکومت کے ماڈرن اسلام نافذ کرنے میں یہی رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اور معاذ اللہ، پرانے دقیانوسی چودہ سو سال پہلے والے اسلام کی رٹ لگاتے رہتے ہیں جو موجودہ زمانے کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ لہٰذا ان کے لیے کوئی بندوبست ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ جنرل صاحب نے نسخہ اکسیر حاصل کرنے کے لیے ایک وفد قاہرہ روانہ کیا جسے یہ معلوم کرنا تھا کہ مولوی کو کس طرح قابو کیا جائے۔ وہاں سے اس کی تدبیر یہ بتائی گئی کہ ان کے مدرسوں کو سرکاری تحویل میں لے لیا جائے تو سب علماء سرکاری ملازم ہو جائیں گے اور پھر بخوف ملازمت وہ حکومت کے کسی اقدام کے خلاف آواز نہ اٹھا سکیں گے، نہ تحریک چلا سکیں گے، اس طرح اسلام کے نام پر بنائی گئی اس مملکت میں اپنی منشاء کے مطابق آپ جیسا بھی اسلام کا جدید ایڈیشن نافذ کرنا چاہیں بآسانی نافذ کر سکیں گے۔

اس وقت مدارس کی تنظیم و ترقی کے علاوہ جدیدیت کی تحریک کا مقابلہ کرنے کے لیے علماء کرام نے وفاق المدارس کی تنظیم قائم کی تھی چنانچہ اس تنظیم نے باقاعدہ حکومت کو خبردار کیا کہ وہ آزاد دینی مدارس پر قبضہ کرنے کا منصوبہ ترک کرے ورنہ تمام علما اور اہل مدارس مل کر اس منصوبے کو ناکام بنا دیں گے۔ حکومت کا یہ اقدام چونکہ سراسر بدنیتی پر مبنی تھا، اس لیے وہ خوف زدہ ہو گئی اور وقتی طور پر دینی مدارس کو تحفظ حاصل ہو گیا، بعد میں پھر بھٹو صاحب کا دور آیا اور انہوں نے بھی سابقہ اسکیم پر عملدرآمد کرنے کی کوشش کی، اس وقت تک دیکھا دیکھی بریلوی مکتبہ فکر کا وفاق اور اہل حدیث وغیرہ کا وفاق بھی بن گیا تھا، یہ مفتی محمود صاحب کا دور تھا، وہ وفاق کے صدر تھے، انہوں نے تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفاقوں کے نمائندوں کا ایک مرکزی اجلاس ملتان میں طلب کیا اور قرار داد پاس کی، حکومت کو خبردار کیا کہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے، علماء کسی قیمت پر حکومت کے اس اقدام کو نافذنہ ہونے دیں گے۔ مدارس عمارتوں اور لائبریریوں کا نام نہیں ہے، تم نے اگر ہمارے مدارس کی عمارتوں پر قبضہ کیا اور ہمارے کتب خانے چھین لیے تو ہم میدانوں میں اور درختوں کے سائے میں طلبہ کو لے کر بیٹھیں گے اور اپنا مشن جاری رکھیں گے، اس قرار داد کا بھی خاطر خواہ اثر ہوا اور حکومت ناکام رہی، اس طرح وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے ان دینی مدارس کا دفاع کیا اور مدارس کے تحفظ کی ضرورت ہی دراصل اس تنظیم کے قیام کا اصل سبب تھی۔

اس کے بعد جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کا دور آیا۔ 1980ء میں مفتی محمود صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے اور 21 محرم 1401ھ مطابق 30 نومبر 1980ء میں نیا انتخاب ہوا۔ مولانا محمد ادریس میرٹھی صدر اور احقر کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ اس زمانے میں حالات یہ تھے کہ جنرل ضیاء الحق نے علماء اور دیگر ماہرین کی ایک کمیٹی بنائی تھی جس میں وفاق کا ایک نمائندہ بھی شامل تھا۔ یہ کمیٹی دو سال سے زائد عرصہ تک کام کرتی رہی، اس نے مدارس کا بڑی جانفشانی کے ساتھ سروے کیا اور مکمل کوائف جمع کیے پھر ایک رپورٹ مرتب کی اور اس کو کتابی شکل میں شائع کیا اور بتدریج مدارس پر قبضہ کرنے کے لیے ایک منصوبہ بنایا، وزارت مذہبی امور اور وزارت تعلیم نے اس منصوبے کے پہلے مرحلے میں چھ سال کے اندر دو سو مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کے لیے خاص طریقہ کار تیار کیا جس سے وفاق کے نمائندے نے اختلاف کیا اور باقاعدہ اپنا اختلافی نوٹ لکھا۔ اس کمیٹی کے تمام صوبوں میں مختلف اجلاس ہوتے رہے اور اخبارات کے ذریعے یہ خوشخبری شائع ہونے لگی کہ اب اور جب آزاد دینی مدارس سرکاری تحویل میں لے لیے جائیں گے۔ مدارس میں زکوۃ کی تقسیم کے ذریعہ لالچ دیا گیا اور حکومت کی ہم نوائی کے لیے ذہن سازی کی گئی۔ ہر حکومت کا مقصد یہی رہا کہ علماء کو خرید لیا جائے اور پھر اپنی مرضی کی کارروائی کی جائے۔ وفاق کی نئی انتظامیہ نے 1981ء مطابق 1401ھ کو کراچی میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں ایک بڑا اجلاس منعقد کیا۔ یہ وفاق کی تاریخ کا سب سے بڑا اجلاس تھا جس میں تقریباً ایک ہزار نمائندوں نے دیوبندی مکتب فکر کے مدارس کی طرف سے شرکت کی۔ اجلاس چار دن جاری رہا۔ اس اجلاس کی قراردادوں کی عظمت واہمیت نے حکومت کو متاثر کیا اور وہ اپنے عزم سے باز رہنے پر مجبور ہوئی، وہ کمیٹی جو اس مقصد کے لیے کئی سال سے کام کر رہی تھی، اس کو توڑ دیا گیا، اس کی رپورٹ اور تجاویز کو جنرل ضیاء صاحب نے کالعدم قرار دینے کا اعلان کیا۔ پھر اس کے بعد مدارس کو زیادہ نہیں چھیڑا گیا۔ البتہ ڈاکٹر محمد افضل جو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے چیئرمین تھے اور بڑے ماہر اور ہوشیار بیوروکریٹ بھی، وہ اس مقصد کے لیے مسلسل اپنی کوشش کرتے رہے جس کی تفصیلات بہت وسیع ہیں اور خادم کو براہ راست ان سے سابقہ رہا لیکن الحمدللہ وہ بھی ناکام رہے۔ اس کے بعد یونیورسٹی گرانٹس کمیشن میں دوسرے حضرات آئے۔ کوشش تو وہ بھی کرتے رہے، ان کے ساتھ بھی ہماری میٹنگیں ہوئیں لیکن تو میانے کی سرکاری تحریک بظاہر کمزور پڑ گئی۔

اس کے بعد کمزور جمہوری حکومتوں کے جو تین دور گزرے، ان میں بھی ہر حکومت فرنگی آقاؤں کے اشارے پر وقتاً فوقتاً چھیڑ خانی کرتی رہی، دینی مدارس پر دہشت گردی کے الزامات لگتے رہے، ان کی ساکھ مجروح کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ سے مؤثر پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا، ان کے نصاب ونظام کو فرسودہ قرار دیا جاتا رہا لیکن الحمدللہ ثم الحمدللہ دینی مدارس غیر معمولی تیز رفتاری کے ساتھ بڑھتے رہے، وفاق المدارس نے ہر حکومت کو اپنے موقف سے واضح طور پر آگاہ کیا کہ آزاد دینی مدارس میں حکومت اور سرکار کے کسی قسم کے دخل کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ فوجی حکومت نے آکر اولا بڑی تیزی دکھائی لیکن جب ابتدائی مراحل میں اسے ناکامی ہوئی تو اب اس نے ضیاء الحق مرحوم کے نسخے کو دوبارہ آزمانے کا ارادہ کیا ہے اور وزارت مذہبی امور کے تحت ماڈل دینی مدارس کی اسکیم شروع کی جارہی ہے اس سلسلے میں وفاقی مذہبی امور نے دینی مدارس کے مختلف بورڈوں کے سربراہان کا ایک اجلاس 24 اکتوبر سنہ 2000 کو اسلام آباد طلب کیا تھا۔ الحمد للہ اس اجلاس میں وفاق المدارس العربیہ سمیت دوسرے مکاتب فکر کے دینی مدارس کے وفاقوں نے متفقہ طور پر اس اسکیم کو مسترد کرتے ہوئے یادداشت پیش کی کہ آزاد دینی مدارس ماڈل مدارس اسکیم میں نہ فریق ہوں گے، نہ اس کا حصہ بنیں گے اور نہ ہی اس نظام میں معاون ہوں گے۔

آج کی یونیورسٹیاں پاکستان میں اسلامی علوم کے ماہرین اور عربی کے فضلاء پیدا کرنے کے لیے لاکھوں کروڑوں روپیہ قوم کا برباد کر رہی ہیں لیکن خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم یہ ماہرین اور فضلاء سوائے جہل مرکب میں مبتلا ہونے کے اسلامی اور عربی علوم سے قطعی نابلد ہوتے ہیں۔ اسلام کے مبادیات سے ان کو انس نصیب نہیں ہوتا اور تو چھوڑیئے ان کی غالب اکثریت قرآن کریم کی صحیح تلاوت نہیں کرپاتی اور جہاں تک ان کی عملی تطبیق کا سوال ہے تو وہ یونیورسٹیوں کے دانشوروں کے نزدیک نصاب سے ہی خارج ہے۔ ان کا ماسٹر اگر ملحد ہو، دہریہ ہو، قادیانی ہو، نماز نہ پڑھتا ہو، روزے کو فضول سمجھتا ہو تو ان کے نزدیک اس سے فرق نہیں پڑتا۔ وہ بہر حال ڈگری ہولڈر ہے اور اسلام کے نام پر قوم کے بچوں کو بے عمل اور ملحد و زندیق بنانے کی اس کو اجازت ہے۔

ایسے حالات میں جب کوئی حکومت آزاد دینی مدارس کی سرپرستی کا ارادہ لے کر آگے بڑھتی ہے تو کئی سوال ذہن میں ابھرتے ہیں :

(1) کہیں اس کا مقصد یہ تو نہیں کہ راسخ العلم اور صاحب تفقہ علماء کے پیدا ہونے کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ ”نیم ملا خطرہ ایمان“ قسم کے لوگ سرکاری نصاب سے تیار کیے جائیں اور جدید سرکاری اسلام کے ہر مسئلے میں ان سے سند جواز حاصل کی جائے۔

(2) یہ بھی ممکن ہے کہ ان مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کا مقصد علماء کو سرکاری ملازم بنانا ہو تاکہ ان کی زبان بندی ہو سکے اور پھر اسلام کے نام پر جو کھیل چاہیں کھیلیں اور کوئی دم مارنے والا نہ رہے۔

(3) حکومتی حلقوں کی طرف سے یہ بھی کہا جاتا رہا ہے کہ دین کے یہ خادم جنہیں مولوی اور ملا کے لقب سے پہچانا جاتا ہے بے مقصد قسم کی مخلوق ہے اور ان ہی اداروں سے یہ پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے ان مدارس کی قلب ماہیت کر دی جائے تاکہ یہ پیدا ہی نہ ہوں۔

(4) ایک خیال یہ بھی ہے کہ ان گئے گزرے حالات میں بھی عامۃ المسلمین میں جو اثر و نفوذ علماء دین کو حاصل ہے اس کے پیش نظر ان کو اقتدار کے لیے خطرہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے ان کے خاتمے کے لیے آسان ترکیب کے طور پر یہ اسکیمیں بنائی جاتی ہیں۔ اسباب و وجوہ یہ ہوں یا کچھ اور، بہر حال اس قسم کی خواہش یا کوشش پسندیدہ نہیں کہلا سکتی بلکہ اس کے مہیب اور مضر اثرات و نتائج کے پیش نظر اس کو بجا طور پر اسلام دشمنی کہا جا سکتا ہے۔ اب چاہے کوئی دانستہ یہ دشمنی کرتا ہو یا بے وقوفی میں اس کا مرتکب ہوتا ہو۔

آخر میں یہ بات بھی ضروری ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی حفاظت کا معاملہ ہے، اس کے بگاڑ کی کوئی کوشش حکومت کے لیے منفی اثر لائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ان مدارس کا مقصد واحد دینی علوم کی حفاظت و اشاعت اور رجال دین تیار کرنا ہے اور بلاشبہ یہ کام مدارس کی عمارتوں پر موقوف نہیں، اللہ تعالیٰ کو جب تک منظور ہے، یہ خدمت ہوتی رہے گی، اگر عمارتیں بھی ہمارے پاس نہ ہوں گی تو دوسرے بہت سے طریقوں سے بھی یہ کام جاری رہ سکتا ہے اور مشکل حالات میں اللہ تعالیٰ کام کرنے والوں کا انتظام فرمادیا کرتے ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ

محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین

© rasailojaraid.com